مشتاق احمد یوسفی کی عصری آگہی

اطہر حسین

وسیم بلڈنگ، ٹیگور مارگ، مکارم نگر، لکھنؤ۔226020 (یوپی)

ادب اور سماج کا بہت گہرا رشتہ ہے۔ یہ ہمیشہ سے سماج کا ترجمان رہا ہے۔ ناقدین فن کا یہ بھی خیال ہے کہ شعوری، غیر شعوری طور پر ادب زندگی کی حقیقتوں کا ترجمان ہوتا ہے کیونکہ ادیب وتخلیق کار معاشرے ہی کا ایک حصہ ہیں۔ وہ معاشرے میں پلتا بڑھتا ہے اور یہاں ہونے والے واقعات وحادثات سے متاثر ہوتا ہے اور پھر اسی کو تخلیق کی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ ادیب جس دور میں سانس لے رہا ہے اس سے واقفیت کے لیے تاریخی حسّیت بھی ضروری ہے۔ کسی ادب پارے میں عصری آگہی دیکھنے کا مطلب ہے کہ اس میں سماج اور معاشرے کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے اور ماضی سے ان کی وابستگی کو اجاگر کیا جائے۔ مشتاق احمد یوسفی بنیادی طور پر طنز ومزاح نگار ہیں۔ وہ اس پیرائے میں بہت کچھ کہہ جاتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں سماجی شعور اور عصری آگہی کی غیر معمولی کارفرمائی ہے۔ پروفیسر صدیق الرحمٰن اسی پس منظر میں لکھتے ہیں:

> ''ادیب یا فنکار اپنے معاشرے میں رہ کر اس سے متاثر ہوتا رہتا ہے۔ معاشرے کے حالات کے بارے میں اس کے ذہن میں کچھ سوالات پیدا ہوتے ہیں جب ادیب ان سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کرتا ہے یا حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے وہ کوئی لائحۂ عمل تیار کرتا ہے تو وہ خود بخود کسی نظریہ یا نظام فکر سے وابستہ ہوجاتا ہے۔ اگر وہ کسی نظریے سے وابستہ نہیں ہونا چاہتا تو بھی کسی نہ کسی طرف جھکتا ضرور ہے۔ یہ جھکاؤ ایک سے زیادہ نظریوں کی طرف بھی ہوسکتا ہے۔ ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ جہاں وابستگی ہے وہاں ایک طرح کی حدود ہے اور جہاں محض جھکاؤ ہے وہاں محدودیت نہیں ہے بلکہ تلاش وجستجو ہے اور ایسے ادیب وفنکار خود کو فارمولے والے معیار کی حدود سے آزاد رکھتے ہیں۔''

(پروفسر صدیق احمد قدوائی، تاثراتی تنقید، ص:۱۴۵)

پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی کے اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ ادب اور سماج لازم ملزوم ہیں یعنی کسی تخلیق کے وجود میں آنے کے لیے ان دونوں کا اشتراک ضروری ہے۔ یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ ادیب اسی سماج کا ایک حصہ ہے اور وہ اپنی تخلیقات میں وہی سب بیان کرتا ہے جس کا وہ شب وروز سماج ومعاشرے میں رہ کر مشاہدہ کرتا ہے۔ عصری مسائل پر مشتاق احمد یوسفی نے اپنے مخصوص انداز سے روشنی ڈالی ہے۔ چراغ تلے اور خاکم بدہن میں عصری آگہی کا فقدان نظر آتا ہے تاہم آبِ گم میں اس کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں اور شام شعر یاراں میں ایک باخبر میڈیا کی طرح یوسفی نظر آتے ہیں۔ مختلف انواع میں پیش آنے والے واقعات وحادثات اور معاشرے میں پل رہی خرابیوں پر گرفت کرنے کے ساتھ ساتھ ہمعصر ادیبوں کی خامیوں اور کمیوں کو بے نقاب کیا ہے جس سے ان کی عقابی نظروں کا سراغ ملتا ہے۔ خود مشتاق احمد یوسفی ادب میں عصری حسیت کی افادیت پر روز دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''کوئی لکھنے والا اپنے لوگوں، ہم عصر ادیبوں، ملکی ماحول ومسائل، لوک روایت اور کلچر سے کٹ کر کوئی زندہ اور تجربے کی دہکتی کٹھالی سے نکلا ہوا فن پارہ تحریر نہیں کرسکتا۔''

(یوسفی آبِ گم، ص:۱۸، مکتبہ دانیال کراچی، ۱۹۹۰)

''شام شعر یاراں'' میں عصری آگہی کا جائزہ بہت اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ یہ ایک طنزیہ ومزاحیہ تخلیق ہے۔ طنز ومزاح کی بنیاد ہی عصری آگہی پر ہوتی ہے۔ طنز ومزاح نگار اپنے وقت کے حالات اور حقیقتوں سے بخوبی واقف ہوتا ہے اور معاشرے کی ناہمواریوں اور خرابیوں پر ہنستا ہے اور نشتر کاری کرتا ہے۔ عصری آگہی ہر طنز ومزاح نگار کا تقاضا ہوتا ہے۔ شام شعر یاراں میں مشتاق احمد یوسفی کا کسی مخصوص نظریے یا رویّے سے وابستگی کا پتہ نہیں چلتا ان کا میلان مختلف نظریات کی طرف ہے۔ انھوں نے خود کو کسی خاص نظریے کے شکنجے میں کسنے کی کوشش نہیں کی ہے جہاں بھی خامیاں نظر آئی ہیں اس پر طنز کسنے سے باز نہیں آئے ہیں۔ اسی وجہ

سے کسی نظریاتی وابستگی کے بغیر ہی اس میں وسعت پیدا ہوگئی ہے۔شام شعر یاراں میں یوسفی نے ادب اور فنون لطیفہ کے ساتھ ساتھ سیاست، سماج ومعاشرہ،تہذیب وتمدن اور معاشرے کی ناہمواریوں کا احاطہ کیا ہے۔

مشتاق احمد یوسفی نقاد نہیں ہیں،مگر شام شعر یاراں جہاں انھوں نے شخصیات،نظریات،سماج ومعاشرت اورسیاست پر طنز کیا ہے وہیں اردو ادب کی مختلف اصناف میں کمیاں یا خامیاں ہیں اس پر بھی طنز کیا ہے۔ جس کے مطالعہ سے یوسفی کے تنقیدی شعور اور شغف کا اندازہ ہوتا ہے۔ مشتاق احمد یوسفی نے ایسی تکنیک اختیار کی ہے جس سے مختلف خیالات کو کسی قدر آزادی سے پیش کرنے کی گنجائش پیدا ہوگئی ہے۔شام شعر یاراں سے یہاں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

یوسفی کا غزل کے متعلق محرف شدہ مصرع دیکھئے:

'' غزل کھا گئی نوجواں کیسے کیسے''

(یوسفی،شام شعر یاراں،ص:۱۵۶)

مشتاق احمد یوسفی مزید غزل کے بارے میں طنز کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

''غزل میں اوسط درجہ کا اچھا شعر کہنا اتنا آسان ہے کہ سچ مچ خراب شعر کہنے کے لیے ما فوق البشری نالائقی کی ضرورت ہے،لیکن اعلیٰ شعر کہنا اتنا ہی دشوار ہے دراصل غزل کے دو ترشے ترشائے مصرعوں میں پوری بات کہنی ہوتی ہے۔''

(یوسفی،شام شعر یاراں،ص:۱۵۶)

اس اقتباس سے غزل کے فن کی دشواریوں کا علم ہوتا ہے۔مذکورہ مصرع سے معلوم ہوتا ہے کہ غزل گوئی ایسا فن ہے کہ ایک بار جب شاعر اس کی طرف راغب ہوجاتا ہے تو پھر اس سے منحرف ہوکر نثر کی طرف رخ کرنا دشوار ہے۔اس مصرع کے بین انھوں نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ بہت اعلیٰ صلاحیتیں غزل کہنے کے لیے نذر ہوئیں۔شام شعر یاراں میں جہاں انھوں نے ادبی پہلو پر گفتگو کی ہے وہیں دیگر فنون لطیفہ پر بھی قلم اٹھایا ہے۔اس میں مصوری،موسیقی اور تھیٹروں وغیرہ بھی ذکر ملتا ہے نیز اجنتا اور ایلورا کے مجسموں کو یوسفی کے قلم نے ایک زندہ پیکر کی صورت میں ڈھال دیا ہے۔یہ مجسمے تو پہلے ہی سے قابل دید تھے،مگر یوسفی کے قلم نے ان کو ایک نئی دنیا میں پہنچا دیا ہے۔مصوری کے متعلق شام شعر یاراں کے دلچسپ مضمون'' پلکوں سے پینٹ کرنے والا مصور'' میں بڑے صبر ریاض اور دیدہ ریزی کا طالب مصوری کے فن کے متعلق شاہد رسام کے حوالے سے لکھتے ہیں اقتباس ملاحظہ ہو:

'' شاہد رسّام کی تصویریں دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ وہ برش سے تصویر نہیں بناتے اپنی پلکوں سے پینٹ کرتے ہیں۔ایک مربع انچ میں سیکڑوں لکیروں کے حساب بڑے کینوس پر خدوخال نمایاں کرنا ایسا ہی ہے جیسے اون کے بجائے سوئی میں استعمال ہونے والے دھاگے سے قالین بننے کی کوشش کریں انتہائی مہین خطوط سے خال بہ خال مژہ بہ مژہ مو بہ مو چہرہ بہ چہرہ جو تصویریں یہ بناتے ہیں انھیں دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ہر چہرہ دست دعا کی رحل پر رکھ کے تصویر بنائی ہے۔''

(یوسفی،شام شعر یاراں،ص:۳۶۴)

اس اقتباس سے فن مصوری کی دشواریوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ ایک فطری تخلیق کی نقل کرنا کس قدر دشوار ہے۔ایک محدود دائرے میں رہ کر مصور کس قدر باریک بینی سے ایک اصل شے کی نقل کرتا ہے اور اس کو کمال فن سے نقل کرتا ہے کہ ایک ہنستا بولتا چہرہ ناظرین کے سامنے آجاتا ہے۔ کبھی کبھی نقل اصل سے بھی دلکش معلوم ہوتی ہے اس کی سب سے بڑی مثال پکاسو کی شہرت اور اس کی تصویر کشی ہے۔آج ہر انسان کی زندگی کا کوئی نہ کوئی پہلو سیاسی حالات سے منسلک ہے کسی نہ کسی سطح پر ہر شخص آج سیاست سے متاثر ہورہا ہے۔ایسے ممالک جہاں سیاسی ادارے جمہوری اصولوں پر مبنی ہوں وہاں یہ بات اور زیادہ صادق آتی ہے لہٰذا ہندوستان اور پاکستان کے ادب میں سیاست کا در آنا ایک ناگزیر بات ہے۔اس کے علاوہ اس دور میں انسان کی ادبی،سماجی،سیاسی اور معاشی زندگی اس طرح آپس میں مربوط ہے کہ کسی ایک پہلو پر بات کرتے وقت دوسرے سے اس کا رشتہ از خود استوار ہوجاتا ہے۔شام شعر یاراں میں مشتاق احمد یوسفی نے چونکہ زندگی کے گوناگوں پہلوؤں پر طنز کیا ہے لہٰذا سیاست بھی اس کے دائرے سے باہر نہیں ہے۔اگر غور کیا جائے تو معاشرے کی ناہمواریوں اور اس کے ظلم وجبر کا تعلق سیاسی حالات سے ہے۔

مشتاق احمد یوسفی چونکہ ایک مہاجر تھے۔آزادی کے بعد جن لوگوں نے پاکستان کا انتخاب کیا تھا وہ فیصلہ محض ان کی خوش گمانی کا تھا۔وہاں پہنچ کر جن حالات کا سامنا ان لوگوں نے کیا شاید یہ اسی کا اثر تھا کہ بیشتر مہاجر ادیب اپنے ماضی کے نہاں خانوں سے نہیں نکل سکے۔یوسفی کا تعلق دو ایسے ملکوں سے رہا جو اپنی سیاست کی بنا پر عالمی سطح پر جانے جاتے ہیں۔ ان کی پانچویں تخلیق شام شعر یاراں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں سیاسی بصیرت حاصل ہے۔سیاست دانوں کا وعدہ کرنا اور اپنے

وعدے سے مکر جانا ان کی فطرت میں داخل ہے اس بات سے ہر کوئی واقف ہے۔ آئے دن حکومتیں الیکشن سے قبل بڑے بڑے وعدے کرتی ہیں اور پھر اپنے وعدے سے مکر جاتی ہیں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

''صاحبو، ہر حکومت کی مدت ختم ہوتے ہوتے وعدے پر جینے والوں کی حالت بھی کچھ ایسی ہی ہوجاتی ہے کہ دراصل الیکشن کے عہد و پیماں اور وعدے وعید، رات گئی بات گئی کے ذیل میں آتے ہیں۔ خروشیف نے غلط نہیں کہا کہ کی سیاست داں کسی بھی ملک کے ہوں ان کا طریقۂ واردات یکساں ہوتا ہے وہ اس جگہ بھی پل بنانے کا وعدہ کرتے ہیں جہاں کوئی ندی نالا نہیں ہوتا۔ بعض لیڈروں اور امیدواروں کی تقریریں اور خطبات تو اس لائق تھے کہ انھیں جوں کا توں مزاحیہ کالموں کی جگہ چھاپ دیا جاتا۔'' (یوسفی، شام شعر یاراں، ص ۲۳۸)

سیاسی لیڈران مظلوم عوام سے اچھے دن کا وعدہ کرتے ہیں، جس کے سبب عوام ان کی جے جے کار کرتی ہے۔ گلے پھاڑ پھاڑ کر ان کے حق میں نعرے بلند کرتے ہیں اور اپنے قیمتی ووٹوں سے ان کو منصب پر بٹھاتے ہیں پھر جب وہی سیاست داں ان کے اچھے دن کو برے دن میں تبدیل کر دیتے ہیں تو ان کے ساتھ کیا رویّہ ہوتا ہے اسی نفسیاتی کشمکش کو یوسفی نے ایک ماسٹر کی زبان میں کس طرح ادا کیا ہے ملاحظہ ہو:

''ماسٹر جلال الدین ناطق چاکسوی سابق اسسٹنٹ ہیڈ ماسٹر، پرائمری اسکول، بہار کالونی اکثر کہتے ہیں کہ جس حکومت کو بھی مائی باپ قسم کی حکومت سمجھ کر لوگوں نے توبہ تلّا کرتے اور باپ رے باپ کہتے ہوئے دفان! آئندہ کو کان پکڑے چناں چہ اب یہ حال ہے کہ نئی حکومت بننے، حلف اٹھانے اور جیوے، جیوے کا غلغلہ بلند ہونے سے پہلے ہی جاوے ہی جاوے جاوے ہی جاوے! کے نعرے لگنے لگتے ہیں۔''

(یوسفی، شام شعر یاراں، ص: ۳۱۳)

اس اقتباس سے نفسیاتی طور پر اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ ہر سیاست داں فطرتاً یکساں ہوتا ہے وہ صرف اور صرف اپنے مفاد کے لیے مظلوم عوام کا استعمال کرتا ہے اور جھوٹے وعدوں کے سہارے ان کے ووٹ حاصل کرتا ہے اور منصب صدارت حاصل کر لینے کے بعد ان تمام وعدوں کو بھول جاتا ہے جس کی بدولت اس مقام پر ہے۔ اس اقتباس سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا کہ بار بار دھوکہ کھانے کے باوجود عوام کیوں اس کا شکار ہوتے ہیں۔ آج سیاست ایک مذاق بن چکی ہے۔ عوام کو بری طرح سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اردو ادب کا ہر طالب علم اس بات سے واقف ہے کہ ادیب ہمارے ہی سماج کا ایک فرد ہوتا ہے وہ جو کچھ دیکھتا ہے، محسوس کرتا ہے اس کو کاغذ پر ڈھال دیتا ہے۔ ادیب ایک طرح سے سماجی کارکن ہوتا ہے۔ سماج اور اپنے گرد و پیش ہونے والے واقعات پر طنز و مزاح کے ذریعہ معاشرے کی اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔ مشتاق احمد یوسفی نے بہت سارے ملکوں کا سفر کیا۔ ملازمت کے سلسلے میں لندن میں گیارہ سال رہے جس کی وجہ سے انھیں وہاں کی معاشرت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ وہ صرف معاشرے میں رہ کر ہی نہیں انھوں نے دیگر علوم اور ان کے معاشروں کا بھی گہرائی سے مطالعہ کیا ہے اور اس سے متاثر بھی ہوتے رہے ہیں جس کے اثرات ان کی ان کی تحریروں میں واضح ہیں۔ شام شعر یاراں میں وہ ہندو پاک کے سماج اور برطانوی سماج کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہم روز انہ لسانی گروہی اور صوبائی چپقلش اور تصادم کی خبریں، حادثات اور قابل علاج بیماریوں میں انسانی جانوں کے اتلاف کی رپورٹیں پڑھتے ہیں اور اسے مقدرات کا حصّہ اور روزمرہ کا معمول سمجھ کر اخبار اور اپنے ذہن کا ورق پلٹ کر اسپورٹس اور اسٹاک مارکیٹ کی خبریں پڑھنے لگتے ہیں۔ ہم بہت مصروف ہیں ہمارے پاس اداس رہنے اور سوگ منانے کے لیے وقت نہیں ہے۔ تیرا لٹگ یا شہر بھنبور سے بے خبر ہیں! ایک زندہ، ذمہ دار اور مہذب معاشرے کی یہ پہچان ہے کہ اگر وہ کسی کے دکھ درد کا مداوا نہیں کر سکتا تو اس میں شریک ہوجاتا ہے۔'' (یوسفی، شام شعر یاراں، ص: ۴۷)

یہ اقتباس حقیقت پر مبنی ہے کہ آج انسان اس قدر بے ضمیر اور بے حس ہوگیا ہے کہ وہ صرف اور صرف اپنے بارے میں سوچتا ہے۔ بڑے بڑے حادثات پر بھی اس کا ضمیر اس کو نہیں جھنجھوڑتا بلکہ اس کو عام سی بات سمجھ کر آگے نکل جاتا ہے۔ وہ بھی ایک زمانہ تھا جب ایک شخص کی وفات پر پورا سماج متاثر ہوتا تھا۔ اب یہ ساری چیزیں معمول کا حصہ بنتی جا رہی ہیں۔ یوسفی اور اس جیسے دیگر فنکاروں کی تشویش یہی ہے کہ معاشرہ عصری آگہی کے توسط سے اب ان اقدار سے خالی ہوتا جا رہا ہے جسے ہم انسانیت سے تعبیر کرتے ہیں۔

مشتاق احمد یوسفی صرف لندن و برطانیہ اور اعلیٰ طبقہ ہی کی بات نہیں

کرتے، ان کی تصانیف میں غریب اور دلت طبقے کی بات جگہ جگہ نظر آتی ہے۔ ہمارے ملک وسماج میں غریب و دلت طبقے کے لوگوں کے کیا حالات ہیں اس سے تو ہر کوئی اچھی طرح واقف ہے۔ آج کا انسان اس قدر بے حس ہو چکا ہے کہ غریبوں کو اپنے قبرستان میں مدفون ہونے کی بھی جگہ نہیں دیتا جس پر یوسفی طنز کرتے ہوئے ایک ماہی گیر کے احوال بیان کرتے ہیں:

''چلنے لگے تو ابراہیم بولا: کوٹھ کے لوگ کہتے ہیں میں اسّی سے اوپر کا ہوں سب کچھ دیکھا بھالا، بھگا، بھگتا بس ایک ہی فکر ستاتی ہے اگر آپ کی کسی وزیر یا ممبر اسمبلی تک پہنچ ہو تو ہماری طرف سے ہاتھ جوڑ کے اس سے عرض کریں کہ ہمارے کوٹھ کے لیے قبرستان کا بندوبست کریں۔ شہر والوں کے قبرستانوں میں ہمارے جنازے کو گھسنے نہیں دیتے ہم اپنی میّت کو ایک قبرستان سے دوسری قبرستان دوسرے سے تیسرے، چوتھے کاندھوں پر اٹھائے اٹھائے بے عزتی کراتے پھرتے ہیں دن بھر سخت دھوپ میں پڑے رہنے کے بعد ہماری میّت سے خوشبو تو آنے سے ہی رہی مرد کی مٹّی خراب ہوتی ہے ماحول الگ خراب ہوتا ہے۔ سائیں، کچھ کرو۔ رات کو فکر سے نیند نہیں آتی۔ اسّی سے اوپر ہوں۔'' (یوسفی، شام شعر یاراں، ص: ۲۴۷)

آخر میں شام شعر یاراں میں عصری آگہی سے متفق ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ بہت ہی گہری بصیرت پر مبنی ہے۔ یوسفی اس دور کے سیاسی، سماجی، معاشی اور ادبی وغیرہ معاملات سے نہ صرف گہری واقفیت ہے بلکہ اسباب وعلل پر بھی ان کی گہری نظر ہے۔ انھوں نے شام شعر یاراں میں زندگی کے مختلف مسائل کو ایک مربوط انداز میں اور وحدت کے روپ میں پیش کیا ہے۔ آج کے حالات کا ماضی اور مستقبل سے تعلق کا بھی یوسفی کو احساس وادراک ہے۔ مسلسل اور مستقل طور پر ہونے والی تبدیلیاں بھی ان کی نظروں میں اجاگر ہیں معاشرے کی نئی اور پرانی قدروں سے انھیں واقفیت ہے۔ شام شعر یاراں میں ہمیں زندگی کی گوناگوں اور تضاد کو قبول کر کے اسے سہنے کے لائق اور طنز ومزاح کے ذریعے زندگی کو زیادہ گوارا اور خوشگوار بنانے کا ایک مشن نظر آتا ہے۔

مشتاق احمد یوسفی بنیادی طور پر طنز ومزاح نگار ہیں۔ وہ کوئی مبلغ یا سیاسی وسماجی رہنما نہیں، مگر جیسا کہ ابتدا ہی میں لکھا جا چکا ہے کہ ایک فنکار اپنے عہد اور سماج سے بیگانہ نہیں رہ سکتا۔ یوسفی کی ان تحریروں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انھیں اپنے سماج سے گہری وابستگی ہے اور جو کچھ دیکھتے ہیں اسے اپنے طنز کا حصہ بنا دیتے ہیں۔ شام شعر یاراں یوسفی کی طنز ومزاح نگاری کے ساتھ ساتھ عصری آگہی کی بھی ایک کتاب ہے جس سے یوسفی کے سماجی شعور کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ شام شعر یاراں طنز ومزاح کے ساتھ ساتھ عصری آگہی ایک تاریخ بھی نظر آتی ہے۔

○○

آثارالصنادید

اردو اکادمی، دہلی نے سرسید احمد خاں کی لافانی تصنیف ''آثارالصنادید'' کا اصل متن نامور محقق ڈاکٹر تنویر احمد علوی کے مبسوط مقدمہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔

سرسید احمد خاں کی لافانی تصنیف ''آثارالصنادید'' تاریخ سے سرسید کے علمی، تحقیقی وثقافتی دلچسپی کا نقشِ آغاز ہے۔ اس میں انھوں نے دلّی کے آثارِ قدیمہ اور تاریخی عمارات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے اپنے مقدمہ میں سرسید احمد خاں کے حالاتِ زندگی کے ساتھ ان عوامل کا بھی ذکر کیا ہے جنھوں نے سرسیّد کو یہ کتاب تیار کرنے پر آمادہ کیا نیز فنِ تعمیر پر بھی تحقیقی انداز میں اپنے قلم کے جوہر دکھائے ہیں۔

دہلی کے آثارِ قدیمہ سے دلچسپی رکھنے والوں نیز تاریخ وتحقیق کے طالب علموں کے لیے اردو اکادمی، دہلی کا ایک نایاب تحفہ۔

صفحات: ۷۲۸، (دوسرا ایڈیشن) قیمت: ۲۴۰/روپے

ناشر: اردو اکادمی، دہلی